بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ بیگ ارغون

تحقیق وتصنیف؛ محمد نامدار خان بوزئی

مورخہ:۱۴/ جولائی ۲۰۱۳م

ہمارے ممدوح کا پورا نام شجاع بیگ ارغون ہے۔ ان کے والد محترم میر ذوالنونؒ ارغون بن حسن بصری کے نام سے جانے جاتے تھے۔ شجاع بیگ ارغون کے فرزند کا نام حسن ارغون تھا جنہوں نے شاہ بیگ ارغون کے بعد سندھ پر حکومت کی ہے۔ مصدقین مھدیؑ ہونے کی وجہ سے ان بادشاہوں کو تاریخ کی کتابوں میں وہ پذیرائی نہیں ملی جس کے کہ وہ مستحق رہے ہیں۔ شجاعت، راستبازی، عدالت ووفاداری، فراست اور معاملہ فہمی و جہانداری جیسی صفات کی وجہ سے ہرات کے بادشاہ حسین بائیقرا کے دربار میں ان تینوں کی بڑی قدر و منزلت تھی۔

چھ جلدوں پر مشتمل کتاب ’’فقہائے ہند‘‘ کے منصف اسحٰق بھٹی صاحب نے انہیں ’’شاہی بیگ‘‘ کے نام سے متعارف کروایا ہے۔ اسحٰق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

’’دسویں صدی ہجری کے سندہی ملوک وسلاطین میں تاریخ ہمیں **ایک بہت بڑے فاضل، عالم دین** اور **منصف حکمران سے متعارف کرواتی ہے۔** جس کا نام شاہی بیگ بن ذوالنون ارغون قندہاری ہے۔ شاہی بیگ دراصل قندہار کا بادشاہ تھا۔ جو اپنے باپ امیر ذالنون کی وفات کے بعد تختِ قندہار کا وارث بنا تھا۔ اس کا اسلوبِ زندگی دیگر حکمرانوں سے بہت حد تک مختلف تھا۔ **یہ علم وفضل کا پیکر** اور **تدین (دیانتداری) وصلاحیت کا مرقع تھا۔**‘‘ (صفحہ:۲۴)

مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’**شاہی بیگ عالمِ** دین اور **معقولات و منقولات کا ماہر بادشاہ تھا** اور کئی **کتابوں کا مصنف بھی تھا اس نے متعدد فَنی** اور **علمی کتابوں پر** حواشی و **تعلیقات بھی لکھی ہیں جن میں شرح کافیہ، تعلیقات علیٰ شرح المطالع، سید شریف کی شرح سراجیہ پر تعلیقا ت لکھیں ہیں** جو میراث کے موضع سے متعلق ہے۔ (یہ کتابیں) خاص طور سے مشہور ہیں ان کے علاوہ دیگر کتب ورسائل پر بھی بہت سے حواشی اور تعلقات سپردقلم کیئے ہیں!

سندھ کے اس **ذی علم و صاحبِ تصنیفات حکمران** نے اٹھاویں ۲۸ شعبان، ۹۲۸ ہجری کو بکھر [سندھ] میں وفات پائی اور عارضی طور پر اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ بعد ازآں اس کی میت مکہ مکرمہ منتقل کی گئی اور قبرستان معلیٰ میں اس کی تدفین عمل میں آئی۔‘‘ [صفحہ:۶۴ و ۶۵] (مزید تفصیلات کیلئے معاصر رحیمی، جلد۲، صفحہ ۲۸۳ تا ۲۹۶؛ تاریخ فرشتہ: جلد۲ ص، ۵۱۳ و ۵۱۴ ملاحظہ کریں۔)

سندھ کے معروف مورخ میر علی شعر قانع ’’**تحفۃ الاکرام**‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’ارغون چنگیز خان کی نسل سے ہیں [سلسلہ نسب یوں ہے] ارغون خان بن اباقا خان بن ہلاکو خان بن تولی خان بن چنگیز خان‘‘ (صفحہ:۱۷۸)

بادشاہ سندھ جام نندہ کے ۹۱۴ھ میں انتقال کرنے کے بعد جام نظام الدین کا چچازاد بھائی جام صلاح الدین تخت نشین ہونا چاہتا تھا لیکن اس کو دریا خان اور سارنگ خان جیسے اہم درباری عمائدین کی حمایت حاصل نہیں تھی اسوجہ سے وہ مایوس ہو کر سلطانِ گجرات مظفر گجراتی کے پاس چلا جاتا ہے جو کہ رشتہ میں اس کی چچیری بہن کا شوہر تھا۔ جب کہ جام نظام الدین کا نوعمر بیٹا

جام فیروز، مدارالمہام دریا خان (مصدقِ مھدیؒ) اور سارنگ خان کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے تخت نشین ہوا مگر دربار کے معاملات اچھی طرح سے چلا نہیں پایا۔ لہٰذہ دریا خان مایوس ہوکر اپنی جاگیر ''کاہان'' چلا گیا۔

تاریخ معصومی کا بیان ہے کہ:

''قصہ مختصر کہ جب جام فیروز عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا اور نظمِ مملکت کی بنیادیں گرنے لگیں تو انقلاب پسند لوگوں نے جام صلاح الدین کے پاس آدمی بھیج کر اسے خبر دی کہ جام فیروز زیادہ تر سست اور غافل رہا کرتا ہے اور دریا خان جو کہ اس کی حکومت کیلئے پشتہ تھا وہ بھی عذر پیش کر کے کاہان میں جا کر گوشہ نشین ہوگیا ہے۔ اس طرح اب وقت آگیا ہے کہ جلد ہی خود کو یہاں پہنچایئے۔ جام صلاح الدین نے ٹھٹھہ کے یہ خطوط سلطان مظفر کی خدمت میں پیش کیئے جس پر سلطان مظفر نے عظیم الشان لشکر ہمراہ کر کے اسے ٹھٹھہ روانہ کیا۔ وہ مسلسل منزلیں طئے کرتا ہوا دور دراز سفر ختم کر کے ٹھٹھہ آ پہنچا۔ اور دریا عبور کرنے لگا۔ جام فیروز کے آدمی پریشان ہوکر اسے دوسری راہ نکال لے گئے۔ جام صلاح الدین شہر ٹھٹھہ میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور جام فیروز کے حامیوں کو گرفتا کر کے ان پر کثیر جرمانے عائد کیا اور مال وصول کرنے لگا۔ اُس طرف جام فیروز کی ماں اسے کاہان میں دریاں خان کے پاس لے گئی اور عاجزی کے ساتھ گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کی۔ دریا خان اپنے سابقہ حقوق کے پیش نظر لشکر فراہم کرنے لگا جب بکھر اور سیوستان کی فوجیں جام فیروز کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئیں اور بلوچ، نیز عام لوگوں نے بھی توجہ کی تو دریاں خان لشکر لیکر جام صلاح الدین کو دفع کرنے کیلئے روانہ ہوگیا۔''

مورخ میر معصوم کچھ جنگ کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''آخرِ کار دریا خان کا لشکر شکست کھا کر بھاگنے لگا۔''

یہ دیکھ کر جام صلاح الدین کے وزیر حاجی نے جو کہ فوجون کی اگلی صفوں میں تھے فرط شوق میں جام صلاح الدین کو جو کہ (فوجی دستوں کے ساتھ) دریا کے آس پاس ہی کھڑا تھا، ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

''آپ مطمئن رہیے، فتح آپ ہی کی ہے۔ چونکہ اتنا وقت ہو چکا ہے اس لیئے اُن کا (بھاگنے والوں کا) مزید تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے۔''

میر معصوم لکھتے ہیں کہ اس خط کا قاصد عریضہ سمیت دریا خان کے ساتھیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ چنانچہ انہوں نے عریضہ کا مضمون بدل کر حاجی وزیر کی جانب سے دوسرا خط تحریر کیا کہ:

''آپ کا لشکر شکست کھا گیا ہے اور دشمن کا لشکر غلبہ پا رہا ہے لہذا آپ بمعہ اہل وعیال ٹھٹھہ سے فوراً باہر نکل جائیں، دیر بالکل نہ کریں۔ ہم آپ میں موضوع چاچکان میں ملیں گے''۔ یہ عریضہ ملتے ہی جام صلاح الدین رمضان شریف کی نو تاریخ کو بغیر افطار کیئے دریا پار کر گیا اور اسے شکست ہوئی۔ اس طرح دریاں خان چند منزلوں تک ان کا تعاقب کیا اور پھر واپس آ کر جام فیروز کو ٹھٹھہ میں لا کر عید الفطر کے روز عید گاہ میں نماز ادا کی۔ جام فیروز نے چند سال استقلال سے گذارے حتیٰ کہ ۹۲۶ھ میں شاہ بیگ تسخیر سندھ کی طرف متوجہ ہوا۔ (صفحہ: ۱۰۷ اور ۱۰۸ تاریخ معصومی)

۹۲۶ھ سے پہلے جام فیروز نے دریا خان کے ساتھ پھر بگاڑ کر لی اور وہ دوبارہ سے ناراض ہو کر کاہان چلے گئے۔ جام فیروز کی ماں نے دریا خان سے خائف ہو کر جو کچھ کیا اسے علی شیر قانع ''تحفتہ الکرام'' میں انہیں صفحہ ۱۷۳ اور ۱۷۴ پر اس طرح بیان کرتے ہیں:

''چونکہ سمہ خاندان کے زوال کا وقت آچکا تھا، فیروز کی ماں نے **دریا خان کے اثر و رسوخ سے خائف ہو کر**، جس کی وجہ سے اس کے بیٹے کا صرف نام ہی نظر آتا تھا، **سنہ ۹۲۶ ہجری میں شاہ بیگ کو (سندھ پر حملہ آور ہونے کی) دعوت دی**۔ شاہ بیگ جو پہلے ہی سے میر قاسم کی تحریس پر تیاری کر رہا تھا اپنے بخت کو مرادوں کے مطابق پا کر، وہاں کے بندوبست سے فارغ ہوا، اور جلد ہی ۹۲۶ ہجری میں ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوا۔

جام فیروز اور اس کی ماں اپنے کیے پر بے حد پشیمان ہوئے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ خود کردہ را علاج نیست۔ دریا خان نے لشکر جمع کر کے شاہ بیگ کا مقابلہ کیا علیجان (موجودہ نام ''خان واہ'') جو کہ ٹھٹھہ کے نشیب میں ایک ندی ہے، فریقین کا تصادم ہوا۔ سندھی سپاہ اور ان کے گھوڑے کلاہ پوش مغلوں کی ہیبت کی تاب نہ لا کر پہلے ہی حملے میں بھڑک کر فرار ہو گئے۔ اور دریاں خان گنتی کے چند آدمیوں کے ہمراہ داد شجاعت دینے کے بعد قتل ہو گیا۔ بد بخت فیروز اپنے اہل و عیال ٹھٹھہ میں ہی چھوڑ کر پیر آر (پیر پٹھہ) کی طرف بھاگ گیا۔ شاہ بیگ ۱۱ محرم سنہ ۹۲۷ ہجری کو فتح کا نقارہ بجاتے ہوئے شہر ٹھٹھہ میں داخل ہوا''۔

میر علی شیر قانع نے ۱۱ محرم ۹۲۷ھ لکھا ہے جبکہ مورخ میر معصوم نے ۱۱ محرم ۹۲۶ھ لکھا ہے۔ یہی تاریخ صحیح ہے کیونکہ مورخ میر معصوم کے والد، ارغون دور کی ابتدائی زمانہ میں بکھر آئے اور رہائش اختیار کی تھی۔ انہوں نے سارے آنکھوں دیکھے حالات بیان کئے ہیں جبکہ میر علی شیر قانع کی کتاب ''تحفۃ الکرام'' سنہ ۱۱۸۱ ہجری میں لکھی گئی تھی۔ صاحب علم جانتے ہیں کہ سندھ کی تاریخ کو بعد کے دور میں ارغونوں اور میران مھدی علیہ السلام کے مخالفین و متعصبین نے تحریف

سے ''مشرف'' کیا ہے۔ ان محرفین نے ۹۲۶ کو ۹۲۷ ہجری اس لیے بنایا کہ اس فتح کو ''خرابیِ سندھ'' (یعنی ۹۲۷ھ) تعبیر کر کے اپنے جذبات کو تسکین فراہم کرلیں! دوسری اہم بات یہ ہے کہ ''فتح نامہ'' کے چار سو سال بعد میر معصوم نے ''تاریخِ سندھ'' المعروف بہ ''تاریخِ معصومی'' فارسی میں لکھی تھی مگر اس نادر کتاب کا ''اصل نسخہ'' ناپید کردیا گیا ہے! مذکورہ نسخہ نہ تو برٹش لائبریری، لندن میں ہے، نہ ہی سالار جنگ میوزم لائبریری حیدرآباد، دکن میں ہے اور نہ ہی عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن میں!؛ اور نہ ہی پاکستان کے کسی میوزیم یا کسی یونیورسٹی میں!!۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ source material کے ناپید کردینے کے بعد ہر دو کتابوں یعنی ''تاریخِ معصومی'' اور تحفۃ الکرام میں ''تحریف'' کا کام آسان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ سندھی ادبی بورڈ کی چھاپی ہوئی ''تاریخِ معصومی'' میں نہ تو مھدی علیہ السلام پر کوئی مضمون ملتا ہے اور نہ ہی میاں آدم شاہؒ پر! جب کہ میاں آدم شاہ علیہ الرحمہ سے میر معصوم کی ملاقات عبد الرحیم خان خانان کی موجودگی میں ''چانڈوکا'' میں ہوئی تھی!! **میاں آدم شاہ** (ف ۱۰۰۹ھ) کو اسی مورخ یعنی میر معصوم بھکری کی زندگی میں تختہ دار پر چڑھایا گیا تھا! اس کا بھی کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا! اہم تاریخی واقعات میں اس قسم کے **''بلیک آوٹ''** کا کام کوئی ذمہ دار مورخ نہیں کرسکتا! اس وجہ سے راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ گھناونہ کام میر معصوم بکھری جیسے منجھے ہوئے اور تجربہ کار مورخ ہرگز نہیں کرسکتے! اس جرم کی تحقیق کے لیئے راقم الحروف کو اللہ سبحان و تعالیٰ نے لندن جانے اور وہاں کی لائبیریوں کے کئی نسخوں کے مطالعوں کی سعادت عطا فرمائی ہے! اس سے پہلے بھی راقم الحروف اپنے مضامین میں لکھ چکا ہے کہ اگر میاں نور محمد کلھوڑا نے اپنا وصیت نامہ نا چھوڑا ہوتا اور وہ وصیت نامہ ہمارے ہاتھ نہ لگتا تو ان قابلِ فخر اکابرین سندھ کا ''مصدقین مھدیؑ'' ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا!!!

اہلِ ٹھٹھہ پر قاضی قاضنؒ کا احسان:

جنگ کے خاتمہ کے بعد شہر ٹھٹھہ میں لوٹ مار و قتل و غارگیری کا بازار گرم ہوا۔ قاضی قاضنؒ نے اس دورانیہ میں فاتح سندھ شاہ شجاع بیگ (شاہ بیگ) ارغون کو خط لکھ کر ٹھٹھہ شہر کو مزید تباہی و تاراجی سے بچا لیا تھا۔ یہ خط تاریخِ مھدویہ کی ایک اہم ترین دستاویز ثابت ہوا جس کی بنیاد پر ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے مبصرین حضرت قاضی قاضنؒ کے اس کارنامہ کے مداح ہیں۔ اس خط کا مضمون ۱۰۰۹ھ میں میر معصوم کی لکھی گئی ''تاریخ معصومی'' (سندھی ادبی بورڈ) کے صفحات ۱۵۶-۱۵۵ پر اس طرح درج ہے:

''قصہ مختصر ۱۱ محرم سنہ ۹۲۶ھ کو شاہ بیگ نے لشکر گاہ کی حفاظت کیلئے ایک جماعت چھوڑ کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا اور اس کا فتح نصیب لشکر ایک دوسرے کے پیچھے گروہ در گروہ دریا پار کر کے شہر ٹھٹھہ کے قریب پہنچ گیا۔ جام نندہ کا منہ بولا بیٹا دریا خان، جام فیروز کو ٹھٹھہ میں چھوڑ کر زبردست فوج ساتھ لیکر جنگ کیلئے باہر نکلا۔ دونوں فوجوں کے درمیان اس قدر سخت جنگ ہوئی کہ قلم کی زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔ لیکن آخر کار میر شاہ بیگ فتح مند ہوا۔ جام فیروز دریا پار کر کے فرار ہو گیا اور دریا خان ارغونوں کے قبتاش قبیلے کے ایک تنگر بردی نامی (سپاہی) کے ہتے چڑھ گیا اور دوسرے سمہ سپاہوں کے ساتھ قتل ہو گیا۔ مغل بیس محرم تک شہر میں لوٹ مار کرتے رہے اور وہاں کے باشندوں کو قتل کرتے رہے جس کی وجہ سے آیت مقدسہ ان الملوک اذا دخلو اقریتہ افسد ھا (بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں) کا مضمون نہایت وضاحت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ کتنے ہی لوگوں کے اہل و عیال اسیر ہوئے۔ جام فیروز کے بیٹے بھی شہر میں رہ گئے تھے چنانچہ شاہ بیگ کو یہ اطلاع ملی تو اس نے ممتاز افراد کو اس کی حویلی کے دروازے پر مامور کر کے ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کی۔ بالآخر اس وقت کے ایک جید عالم و

فاضل قاضی قادن کی کوشش سے وہ غضب کی آگ سرد ہوئی۔ ہوا یہ کہ قاضی قادن کے اہل وعیال بھی اسیر کر لئے گئے تھے اور وہ دیوانہ وار اپنے بچھڑے ہوؤں کو ٹھٹھہ کی گلیوں میں تلاش کر رہا تھا۔ (لیکن جب اس نے انہیں کہیں نہ پایا تو اس نے) ٹھٹھہ کی حالت زار کو ایک خط میں تحریر کیا اور وہ خط امام حافظ محمد شریف نے شاہ بیگ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ خط پڑھ کر شاہ بیگ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس نے منادی کرا دی کہ اب اہل ٹھٹھہ کے اہل وعیال کو کوئی بھی ہاتھ نہ لگائے۔ اس کے بعد اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر (اس نے) قاضی کے حوالے کیا اور اپنے آدمی اس کے ہمراہ کر کے ارشاد کیا کہ وہ جس کی طرف اشارہ کرے وہ آدمی اس کے حوالے کر دیا جائے''۔

(تاریخِ معصومی صفحہ: ۱۵۵ اور ۱۵۶)]

سنہ ۹۲۶ ہجری میں شاہ بیگ کے سندھ فتح کر لینے کے فوری بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے مورخ علی شیر قانع ''تحفتہ الاکرام'' میں لکھتے ہیں:

''قصہ کوتاہ، مذکورہ ارغون خاندان کی اولاد میں سے جب شاہ بیگ ابن ذوالنون ابن حسن بصری نے ٹھٹھہ پر قبضہ کیا اور وہاں لوٹ مار اور قتل وقید سے فارغ ہوا تو جام فیروز (بن جام نظام الدین نندہ) جس کے اہل وعیال اسیر ہو گئے تھے اطاعت اختیار کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ دیکھ کر خدمت میں حاضر ہوا۔ **شاہ بیگ اس سے بڑی نوازش کے ساتھ پیش آیا اور اسے اپنا بیٹا بنا کر سیوستان تک کا ملک اسے عنایت کیا اور کوہ لکی کو سرحد قرار دیکر واپس ہوا''۔** (بحوالہ صفحہ: ۱۷۹، تحفتہ الاکرام)

ہمارے خیال میں علی شیر قانع نے اصل واقعہ کی قابل ذکر باتیں بیان نہیں کیں جنہیں ہم ''تاریخِ معصومی'' سے نقل کر کے درج ذیل کرتے ہیں:

”غرض جام فیروز نے کچھ تھوڑے آدمیوں کے ساتھ دردانگیز حالت میں موضوع ”پیرآر“ (پیر پٹھہ) میں جا کر قیام کیا کیونکہ اس کے اور جام نظام الدین کے اہل وعیال ٹھٹھہ میں رہ گئے تھے۔ بالآخر کوئی چارہ نہ دیکھ کر اس نے شاہ بیگ کی خدمت میں حاضر ہونا طے کیا اور یکے بعد دیگرے ممتاز فرادکو اس کے پاس بھیج کر انہتائی عجز وانکسار کے ساتھ پیغام بھیجا کہ ”بندہ کی حیثیت حضور کے لشکر سے جنگ ومقابلہ کرنے کی نہیں ہے، اس وقت تک جو کچھ ہوا ہے وہ محض جان کے خوف اور دوسروں کے بھڑکانے کی وجہ سے عمل پذیر ہوا ہے ۔ اب اگر مہربانی فرما کر اعلیٰ حضرت ناچیز کے گناہوں کا دھبہ اپنے آبِ عفوسے پاك کردیں گے تو جب تک زندگی رہے گی عالی جناب کی غلامی اور فرمانبرداری کا طوق اپنی گردن میں آویزاں کیئے رہونگا اور حضور کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھائونگا ۔اب جس وقت [بھی] حضور کا لشکر عالی مراجعت کریگا اور ٹھٹھہ کے باہر منزل انداز ہوگا تو اس وقت خدمت میں حاضر ہو کر دربار کی خاك کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائوں گا!“۔

شاہ بیگ نے اپنی فطری رحمدلی اور طبعی مہربانی کی وجہ سے اس کی عاجزی اور بے بسی پر رحم کھاتے ہوئے قاصدوں کو خلعت سے سرفراز کیا اور اس کے پاس عنایت آمیز پیغام بھیجا۔

اس پر جام فیروز اپنے بھائیوں کے ساتھ ”پیرآر“ کے دریا کے ساحل پر حاضر ہوا اور تلور گلے میں حمائل کر کے

انتہائی لجاجت، عاجزی اور انکساری ظاہر کی۔ شاہ بیگ نے علاوالدین ولد میاں مبارک خان (دریا خان) کو حکم دیا کہ وہ جام فیروز کے حرم، ملازموں اور متعلقین کو اپنے ہمراہ لیجا کر اور دریا پار کر کے اس کے پاس پہنچادے۔

اس کے بعد ماہ سفر کے آخر میں شاہ بیگ ٹھٹھہ کی منزل سے نکلا۔ جام فیروز نے شایان شان تحائف بھیج کر امراء عظام کی معرفت اس کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا اور جب اس نے معنی کیلئے زبان کھول کر گذشتہ باتوں پر انتہائی پشیمانی کا اظہار کیا تو شاہ بیگ نے اسے اس زرکل خلعت سے کہ جو سلطان حسین مرزا نے میر ذوالنون کو دیا تھا، سر فراز کر کے ٹھٹھہ کی حکومت اس کے حوالے کی۔
پھر فیصلہ ہوا کہ جام فیروز شہر میں جا کر اور اپنے آدمیوں کو ساتھ لے جا کر انہیں اپنے گھروں میں آباد کرے۔

اس کے بعد شاہ بیگ نے اپنے امیروں اور وزیروں سے مشورہ کیا کہ سندھ کشادہ ملک ہے۔ اگر ہم کچھ تھوڑے آدمی یہاں چھوڑ کر اپنے فرزندوں کے پاس جائیں گے تو وہ اسے سنبھال نہ سکیں گے۔ اس لیئے رائے یہ ہے کہ آدھا ملک جام فیروز کے حوالہ کردوں اور باقی آدھا ملک اپنے معتمدوں کے لیئے چھوڑ دوں۔ چنانچہ آخر کار سب نے اتفاق کیا کہ کوہ لکی سے جو کہ سیہون کے قریب ہے، ٹھٹھہ تک کا علاقہ جام فیروز کے حوالے کیا جائے اور لکی سے اوپر کا علاقہ اپنے خادموں کے”۔ (صفحات ۱۵۷و۱۵۸ تاریخ معصومی)

شاہ بیگ کی اخلاقی فراخدلی:

اس کے بعد کے حالات سے ایسا لگتا ہے کہ شاہ بیگ کی اخلاقی فراخدلی کو خوب، خوب expolite کیا گیا۔ جس کی پہلی جھلک، شاہ بیگ کا جام فیروز کو ''بیٹا بنا لینا'' اور ''آدھی سلطنت سندھ'' جام فیروز کو واپس دیدینا تھا۔ فراخدلی کی دوسری جھلک یہ تھی کہ شاہ بیگ نے جام فیروز کو ایک خط لکھا تھا جس میں اس نے اُسے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ جیسے ہی وہ گجرات فتح کریگا، پورا سندھ اسے واپس دیدیگا! تاریخِ معصومی کا حوالہ ملاحظہ فرمایئے:

''اس کے (یعنی جام فیروز کے) پاس ایک خط ارسال کیا **کہ اب ہمارا ارادہ ولایت گجرات کی تسخیر کا ہے، اگر یہ ملک فتح ہو جائیگا تو ملک سندھ سابقہ دستور کے مطابق آپ سے متعلق رہے گا۔** اس کے بعد وہاں سے وہ بکھر کی طرف متوجہ ہوا۔'' (صفحہ: ۱۶۵ تاریخ معصومی)۔

فراخدلی کی تیسری مثال یہ ہے کہ اپنے بیٹے شاہ حسن ارغون کو جام فیروز اور جام صلاح الدین کی ۹۲۷ھ میں ہونیوالی جنگ میں ملوث کر دینا تھا! (صفحہ ۱۶۱ اور ۱۶۲، معصومی)

''جام صلاح الدین جس نے جام فیروز کو اس کے والد کے انتقال کے بعد جنگ اور مخالفت کا علم بلند کر کے بھگا دیا تھا اور کچھ مدت (آٹھ ماہ) اس نے ٹھٹھہ پر حکومت بھی کی تھی۔ دریا خان کے غلبہ اور سیوستان کے لشکر کے حملہ سے شکست کھا کر گجرات کی طرف جا کر پریشانی اور بدحالی میں وقت گذار رہا تھا۔ چنانچہ اس کے دماغ میں ٹھٹھہ پر حکومت کرنے کا خیال اور سودا پیدا ہوا، اس نے جاڑیجہ، سوڈھا، سمہ اور کنگھار قبائل کے دس ہزار سوار ساتھ لیکر ٹھٹھہ فتح کرنے کیلئے نکل کھڑا ہوا۔ شاہ بیگ جام فیروز کی تسلی کیلئے میر علیکہ ارغون، سلطان مقیم بیگلار، کیبک ارغون اور امدتر خان کو سیوستان میں چھوڑ گیا تھا چنانچہ جب یہ حادثہ ظہور پذیر ہوا تو جام فیروز بیتاب ہو کر ٹھٹھہ سے نکلا شاہ بیگ کے امراء کی خدمت میں جا پہنچا جو کہ سیوستان میں مقیم تھے۔ انہوں نے

آپس میں مشورہ کر کے شاہ بیگ کے پاس قاصد کو بھیج کر اس صورتحال سے باخبر کیا اور جام فیروز نے بھی علاوالدین ابنِ مبارک خان (دریا خان کو مبارک خان کا خطاب بھی ملا تھا) کو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مدد طلب کرنے کیلئے اس کے (یعنی شاہ بیگ کے) پاس روانہ کیا۔

شاہ بیگ نے یہ اطلاع پاتے ہی اپنے امیروں کو طلب کیا۔ طئے ہوا کہ چونکہ لوگ پوری طرح تیار ہیں اس لیے مناسب ہے کہ فرزند ارشد مرزا شاہ حسن کار آمد لوگوں کی فوج لیکر جلد روانہ ہوا اور خود کو جام فیروز کے پاس پہنچائے۔ القصہ ۱۴ محرم ۹۲۷ھ کو مرزا حسن نے رخصت حاصل کر کے شال (موجودہ کوئٹہ) سے سندھ کی طرف باگ پھیری اور بیس دن کے اندر سیوستان کی حدود میں جا پہنچا۔ امیر شاہ بیگ اس کی کمک میں گروہ در گروہ فوجیں روانہ کرتا رہا اور پھر خود بھی ان کے پیچھے منزلیں طے کرتے ہوئے روانہ ہوگیا۔ جب مرزا شاہ حسن سیوستان کی نواح میں آپہنچا تو جام صلاح الدین کا لشکر، جو کہ سارنگ خان اور نمل سوڈھا وغیرہ کی سرکردگی میں جام فیروز کے تعاقب میں آیا تھا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر دریا پار کر کے اور ٹلٹی میں خندقیں کھود کر جنگ کیلئے مستعد ہوگیا۔ عین اس موقع پر جب کہ مرزا شاہ حسن سیوستان کے امراء اور جام فیروز سے ان سے ان کے دفع کرنے کا مشورہ کر رہا تھا، شاہ بیگ بھی آ پہنچا اور قاضی قاضن کو (مرزا شاہ حسن کو) لے آنے کیلئے بھیجا۔ اس کے بعد دستور کے مطابق مرزا شاہ حسن کو بہادر فوج دے کر جام فیروز کے ساتھ ٹھٹھہ روانہ کیا۔

جب صلاح الدین کو مرزا شاہ حسن کی آمد کی خبر ملی تو اسنے مزید توقف کیے بغیر دریائے ’رین‘ کو عبور کر کے موضع ’’جون‘‘ (اس مقام کا اصل نام ’’جونپور‘‘ ہے جسے چھپایا جاتا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے مرزا قلیچ بیگ کی ’’قدیم سندھ‘‘ صفحہ ۳۲۸) میں منزل کی جام فیروز نے مرزا شاہ بیگ حسن کا استقبال کر کے خدمت گاری کی رسم ادا کی اور شایان شان تحائف پیش کیے۔ مرزا شاہ حسن نے والد بزگوار کی ہدایت کے مطابق، جام فیروز مہربانی اور نوازش کی نظر کی اور اس کے ساتھ

شایان شان عزت واحترام کا سلوک کیا۔ پھر وہ سب مرزا شاہ حسن کے ساتھ زبردست لشکر تیار کر کے جام صلاح الدین سے جنگ کرنے کیلئے روانہ ہو گئے اور منزلیں طے کرتے ہوئے اس تک جا پہنچے۔

[اُس طرف] اسنے بھی جنگ کیلئے صفیں آراستہ کیں اور اپنے بیٹے ہیبت خان کو جو کہ سلطان مظفر گجراتی کا داماد بھی تھا۔ مقدمہ کے طور پر آگے بھیجا۔ مرزا شاہ حسن نے مرزا عیسیٰ ترخان، سلطان قلی بیگ، اور میر علیکہ کو لشکر کا ہراول مقرر کیا اور میر یسد قاسم کے بھائی میرا ابولقاسم کو اپنے ساتھ قلب میں رکھا۔ آخر دونوں فوجوں کے درمیان جنگ عظیم برپا ہوئی۔ مغلوں نے نہایت ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور جام صلاح الدین کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اسی اثناء میں مرزا شاہ حسن عقب سے آ کر اس فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ جام صلاح الدین کا بیٹا ہیبت خان بھی اسی دورانیہ میں قتل ہو گیا۔ (صفحہ:۱۶۳، معصومی)

اپنے بیٹے کے قتل ہو جانے کی خبر سن کر جام صلاح الدین خود ایک جماعت ساتھ لیکر مغلوں پر حملہ آور ہوا لیکن سخت جنگ کے بعد بالآخر خود قتل ہو گیا اور اس کی باقی ماندہ فوج گجرات بھاگ گئی۔ مرزا شاہ حسن فتحیاب ہو کر تین دن اس میدان میں مقیم رہا اور جام فیروز کو اس کے متعلقین کی خبر گیری کیلئے [واپس] بھیج دیا۔ (صفحہ:۱۶۴ تاریخِ معصومی)

شاہ بیگ، شاہ اسمٰعیل صفوی کی قید میں:

سلطان حسین بائیقرہ [ف سنہ ۹۱۰ھ] کے بعد ملک کا وہ حصہ جس کی دیکھ بھال شہزادہ بدیع الزماں کر رہے تھے، محمد خان شیبانی ازبک نے ۹۱۲ ہجری میں شہزادہ بدیع الزماں سے چھین لیا۔ شہزادہ بدیع الزماں کے سسر و سپہہ سالار میر ذوالنونؒ اسی جنگ میں شہید ہو گئے۔ ۹۱۳ھ میں بابر نے حملہ کر کے قندھار اور ''داور'' کے علاقے شاہ بیگ اور اس کے بھائی محمد مقیم سے چھین کر اپنے بھائی سلطان ناصر الدین کو دیدئے۔ اس کے کچھ ہی مہینوں بعد شاہ بیگ اور محمد مقیم نے

حملہ کر کے سلطان ناصرالدین سے واپس لے لیئے۔ ناصرالدین، اپنے بھائی بابر کے پاس کابل بھاگ گیا۔ بابر کے حملے کا خدشہ پھر بھی ان دونوں بھائیوں کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ شاہ اسمٰعیل صفوں نے ۹۱۵ھ میں خراسان سے احمد خان شیبانی کی حکومت کو ختم کر دیا۔ اس وقت شاہ بیگ شال (کوئٹہ) میں تھا شاہ بیگ کے امیروں نے مشورہ دیا کہ ایک طرف بابر بادشاہ ہے اور دوسری طرف شاہ اسمٰعیل صفوی اسطرح دونوں جانب جنگ کے محاذ کھل چکے ہیں اس لئے ہمیں اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیئے تاکہ اگر کسی وقت قندھار سے جدا ہوں تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکیں چنانچہ شاہ بیگ نے سیوی اور اس کا قلعہ فتح کر لیا۔ (آجکل سیوی موجودہ بلوچستان میں ہے۔) سیوی کے بعد ''فتح پور'' (یہ مقام موجودہ نوابشاہ سے متصل ہے) کو بھی فتح کر لیا جو کہ ایک سو میل دور جنوب مشرق میں واقع ہے۔ (تاریخِ معصومی ۱۴۷)

۹۱۷ھ میں شاہ اسمٰعیل صفوی کے وزیر درمیش خان نے فراہ اور سیوستان (سیوی) کے قریب و جوار میں علمِ حکومت بلند کیا۔ اس دفعہ اس کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں شاہ اسمٰعیل صفوی اور بابر دونوں سے صلح کے راستے اختیار کرنے چاہیں۔ درمیش خان کے توسط سے شاہ بیگ، شاہ اسمٰعیل کے دربار میں حاضر ہوا۔ مورخ میر معصوم لکھتے ہیں:

''شاہ بیگ کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہا۔ پھر فیصلہ ہوا کہ نوروز کے دن شاہ بیگ کو بامراد قندھار واپس جانے کی اجازت دیجائے گی۔ درمیش خان کو شاہ اسمٰعیل صفوی نے قلعہ اختیار دین کی طرف بھیج دیا۔ یہ موقعہ پا کر بعض حاصدوں نے شاہ بیگ کے متعلق اس کا خیال بدل ڈالا اور نوروز کے موقعہ کے قریب آنے پر کسی محفل میں نواب ذیشان (شاہ اسمٰعیل) عراق کی طرف چلا گیا تو شاہ بیگ کے غلام سنبھل نے قلعہ ظفر میں پہنچ کر، جس برج میں کہ شاہ بیگ قید تھا اس کے سامنے حلوائی کی دکان کھول لی اور حلوے کے وسیلے سے جیلروں سے واقفیت پیدا کر کے

وہ اپنے مقصود مطلب سے واقف ہوا۔ گاہے گاہے اندر جا کر سنبھل اشاروں سے صورتحال معلوم کرتا رہا۔ دوسری طرف بارہ تجربہ کار لوگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے شاہ بیگ کو [قید سے چھڑا کر] قندھار لے جائیں گے۔

یہ جماعت جب قلعے میں آئی تو [ان کے افراد] ایک ایک کر کے مہتر سنبھل کی دوکان میں داخل ہوئے۔ شاہ بیگ کے دکھ کے دن پورے ہو چکے تھے۔ چنانچہ اقبال نے یاوری اور بخت نے مدد کی اور ایک رات، حلوہ پکا کر اور اس میں بیہوشی کی دوا ملا کر مہتر سنبھل نے جا کر جیلروں کو کھلا دیا۔ حلوہ کھاتے ہی جیلروں کے ہوش و حواس جاتے رہے اور مہتر سنبھل نے دو آدمیوں کے ساتھ قلعہ کی دیوار پر چڑھ اس خوش نصیب کو جا کر آزاد کیا۔ اتفاق سے جس طناب کے سہارے [شاہ بیگ] نیچے اتر رہا تھا وہ چھوٹی پڑ گئی اور چونکہ اس کے پیروں میں بیڑیاں لگی ہوئیں تھیں اس وجہ سے وہ گر پڑا جس سے اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ القصہ، صبا رفتار گھوڑوں پر کہ جن کے الٹے نال لگائے گئے تھے سوار ہو کر انہوں نے مسلسل دو راتیں اور دن یلغار کی اور پھر ان گھوڑوں کو چھوڑ کر دوسرے تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھی یلغار کرتے ہوئے آگے چلے گئے اور آخر منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔ دوسری طرف وہ پہرے دار بھی ہوش میں آ کر پیچھے بھاگے مگر وہ ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے اور ناکام ہو کر واپس ہوئے‘‘۔ (معصومی: ۱۴۸ اور ۱۴۹)

شاہ بیگ کا انتقال:

فتح سندھ کے بعد شاہ بیگ فتح گجرات کی غرض سے چل پڑا۔ وہ بکھر سے دادو پہنچا۔ وہاں سے مشرق کی طرف رخ کیا کہ گجرات پر حملہ کر آور ہو مگر راستے ہی میں حرکت قلب بند ہو جانے کی سبب اگھم کے مقام پر انتقال کر گیا۔ اس کے انتقال کی تفصیل اس کی ایمانی کیفیت اور مہدی علیہ السلام سے عقیدت کی آئینہ دار ہے اور اس طرح بقول تاریخ معصومی (مئولفہ میر محمد بکھری) انتقال سے قبل اس نے حافظ محمد شریف کو بلوایا اور اس سے سورۃ یٰسین کی تلاوت کروائی

اور جب قاری آیت؛

وَمَا لِیَ لَاَ اَعبُدُ الَّذِی فَطَرنیُ واِلَیهِ تُرجَعُونَ

’’اور مجھے کیا ہوا (میرے پاس کیا عذر ہے) کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے‘‘

تک پہنچا تو ہوش میں آ کر کہنے لگا کہ اے قاری اسے مکرر پڑھ اس طرح تین بار مکرر تلاوت کر کے جب قاری آیت نمبر ۲۷۔

قِیلَ ادخُلِ الجَنّته یَقَالَ یٰلَیٰت قَومِی یَعلَمُوْنَ
بَماَ غَفَرَلِی رَبیُ وَجَعَلَنِی مِنُ الُمُکَرُمیُنَ .

اس (گواہ) کو کہا گیا تو جنت میں داخل ہو جا! اس نے کہا: اے کاش میری قوم اس بات کو جانتی کہ مجھے بخش دیا میرے رب نے اور مجھے با عزت لوگوں میں کر دیا!

تک پہنچا تو شاہ بیگ نے جان خدائے پاک کے حوالے کر دی۔ یہ واقعہ ۲۲ شعبان ۹۲۸ھ کا ہے۔

راقم الحروف نے History of Arghuns & Turkhans میں اسی واقعہ کو تلاش کیا تو وہاں آیت ۲۱ اور ۲۷ کا حوالہ پایا۔ یعنی جب قاری آیت ۲۱ پر پہنچا تو وہ ہوش میں آیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت غور سے سن رہا تھا۔ اس پس منظر میں جب آیت ۲۰ پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو یہ مضمون ملتا ہے:

’’اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا، اے میری قوم! تم رسولوں کی پیروی کرو‘‘۔ (سورۃ یٰسین: ۲۰)

پھر آیت ۲۱ میں کہا گیا۔ ’’تم ان کی پیروی کرو، جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں‘‘۔ (سورۃ یٰسین ۲۱)۔

اس آیت میں رسولوں کو مھتدوں یعنی مہدیان کہا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت شاہ بیگ مہدی علیہ السلام کو زمرہ مرسلین میں شامل جانتا تھا اور غالبًا اسے ملی ہوئی بشارت کے اظہار کیلئے اس نے قاری سے ان ساری آیت کو تین بار پڑھوایا اور بڑے خوبصورت انداز میں

اپنے ساتھیوں کو کنایتاً بتا دیا کہ کاش میری قوم بھی اس حقیقت کو جان جاتی کہ اسی طرح میری بخشش بھی میری اتباع و پیروی (مہدیؑ) کے باعث ہوئی۔ شاہ بیگ اورغون کے انتقال کے چالیس دن کے بعدان کا بیٹا شاہ حسن ارغون نصرپور میں تخت نشین ہوا۔

شاہ بیگ کی نعش کو تین سال تک بکھر میں رکھا گیا۔ اس کے بعد نعش کو مکہ معظّمہ بھیجا گیا جہاں انہیں جنت المعلیٰ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا اوران کی قبر پر شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا۔

میرمعصوم کے تاثرات:

صفحہ: ۱۷۵ پر لکھتے ہیں کہ ابتداہی میں وہ خواجہ عبداللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ ورحمتہ واوصل الینا فتوحتہ کی خدمت میں حاضر ہوکران کے ہاتھوں پر تائب ہوگیا تھا۔ عین عنفوان شباب میں ہی وہ علمی کمالات اورادب کے حصول میر سرگرداں رہتا اور بیشتر وقت عبادت وطاعت میں صرف کیا کرتا تھا۔ اوائل ایام میں جب وہ والد بزرگوار کی خدمت میں پایہ تخت ہرات میں سکونت رکھتا تھا تو ہمیشہ وہاں کے علماء کی مجالس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور ہفتہ میں دوبار علماء کو اپنے گھر مدعو کیا کرتا تھا۔ کافیہ کی شرح ، شرح مطالعہ کا حاشیہ، میر سید شریف کے فرائض کی شرح (شریفہ) کا حاشیہ اور بعض دوسرے رسالوں کے حواشی بھی جو کہ مشہور ہیں اسی کی افتاد طبع کا نتیجہ ہیں۔ (صفحہ: ۱۷۵، تاریخ معصومی)

شاہ بیگ کے انتقال پر جام فیروز کا ردِعمل:

اسی صفحہ: ۱۷۴ پر میر معصوم لکھتے: تعزیت سے فارغ ہونے کے بعد جب شاہ حسن ارغون کو یہ خبر ملی کہ **شاہ بیگ کی وفات کی خبر سن کر جام فیروز اور ٹھٹھہ کے لوگوں نے خوشی منائی ہے اور نقارے بجائے ہیں** تو اس کی رگِ حمیت میں جنبش آئی اور آتش اشتعال بھڑک اٹھی

[ایسے حالات میں] امراء اور وزار نے گجرات جانے میں مصلحت نہ دیکھ کر ٹھٹھہ فتح کرنے جام فیروز کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کیا۔’’ اور اس غدار بے ایمان کے ساتھ ایسا ہی ہوا جس کی ساری تفصیل ہم اپنے دوسرے مضمون ’’شاہ حسن ارغون‘‘ میں پیش کریں گے۔ شاہ بیگ ارغون کے انتقال کے چالیس دن کے بعد ان کا بیٹا شاہ حسن ارغون نصر پور میں تخت نشین ہوا اور اپنے انتقال (سنہ ۹۶۱ھ) تک سندھ پر حکومت کرتا رہا۔

حوالہ جات:

۱۔ تاریخِ سندھ (المعروف بہ تاریخِ معصومی) منصف: میر معصوم بکھری، سندھی ادبی بورڈ، جامشورہ
۲۔ تحفۃ الاکرام منصف: علی شیر قانع، سندھی ادبی بورڈ، جام شور
۳۔ History of Arghouns & Turkhans منصف: ایم۔ ایچ۔ صدیقی، انسٹیٹیوٹ آف سندھالوجی، جامشورو